JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 39, Issue No.02

JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Khawar Nawazish
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 300 9561745

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
khawarnawazish@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

TITLE OF THE PAPER

رامہتہ کا ناول "حویلی کے اندر": جدت اور قدامت کا امتزاج

AUTHOR(S)

Dr. Amna Rafiq
Assistant Professor, Department of Urdu
The University of Lahore, Lahore

CONTACT

amna.rafiq@urdu.uol.edu.pk

HISTORY OF THE PAPER

Received on: 27-07-2023
Accepted on: 05-09-2023
Published on: 31-12-2023

DETAIL(S)

Volume No. 39, Issue No. 02, Page No: 153-162
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2023. ©Journal of Research (Urdu) 2023.
This publication is an open access article.

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 39, Issue No. 2, December 2023

ڈاکٹر آمنہ رفیق

رمامہتہ کا ناول "حویلی کے اندر": جدت اور قدامت کا امتزاج

Rama Mehta's Novel "Haveli Kay Andar": A Blend of Innovation and Conservatism

ABSTRACT

Altaf Fatima made quality contributions to the world of Urdu Literature. Apart from short stories and novel writing, she also translated numerous books into Urdu language. “Haveli kay Andar” is a beautiful translation by her which is originally an Indian novel “Inside the Haveli” by Rama Mehta. The story takes place in a traditional haveli in Rajasthan and charts the lives of its inhabitants and their interactions against a backdrop of social conventions and rigid hierarchies. The Urdu translation effectively captures the nuances and beauty of Mehta's prose, painting a true picture of the characters' innermost thoughts and feelings. Altaf Fatima's translations remained unfocused. Not enough research work has been done on her translations. The aim of this article is to highlight Altaf Fatima’s abilities and skills of translation. Through this translation she brought to the forefront the importance of translation in bringing varied cultures and literatures together.

KEYWORDS

Novel, Translation, Rajasthan, Inhabitants, Social Conventions, Rigid, Hierarchies

ادیب اپنی کہانیوں کے ذریعے ادب اور قارئین کے دلوں میں ہمیشہ حیات رہتا ہے۔الطاف فاطمہ کا شمار بھی ان ہی ادیبوں میں ہوتا ہے جن کے جہانِ فانی سے چلے جانے کا غم اب بھی تازہ ہے لیکن ان کی تحریریں اور تراجم ادبی افق پر اپنی مثال آپ ہیں۔ ’’حویلی کے اندر‘‘ ہندوستانی ناول نگار رمامہتہ کے ناول "Inside the Haveli" کا اُردو ترجمہ ہے۔اس میں راجستھان کی ریاست اودے پور کے قدیم ریت رواج اور آن بان کے تناظر میں تین سو سال سے کھڑی ہوئی حویلی، قدیم راجپوتی آن بان، اس کی جاگیر داری اور ریاستی اصولوں اور رواجوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ترجمہ باقاعدہ فن ہے۔ یہ عمل مشکل اور نگینہ جڑنے کے فن کی طرح مہارت چاہتا ہے۔ کسی زبان کے معانی کو کسی دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنا کہ اس میں اصل کی خوبی بھی باقی رہے، ایک مشکل کام ہے۔الطاف فاطمہ کو اس فن میں مہارت تھی۔انہوں نے اس ناول کا ترجمہ نہایت محنت سے کرتے ہوئے پوری کوشش کی کہ تمام واقعات، مناظر اور اس ناول کی کہانی کو اس کے مخصوص تہذیبی رچاؤ کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ اصل تحریر کی طرح ہندو مذہب، کلچر اور فیوڈل سسٹم کی بھرپور عکاسی ہو سکے اسی بنا پر ترجمہ سلیس اور الفاظ کا استعمال موقع محل کے مطابق کیا گیا ہے۔اس ناول کو مکمل تہذیبی رچاو؟ کے ساتھ ترجمہ کرنے کے لئے جس دانشمندی، علم، سنجیدگی اور زبان پر عبور کی ضرورت تھی وہ الطاف فاطمہ کی تحریر میں دیکھا جا سکتا ہے اسی لئے وہ اتنا خوبصورت ترجمہ کرنے میں کامیاب ہوئیں کہ اس ترجمے پر تصنیف کا گمان ہونے لگتا ہے۔

ناول کا پورا تناظر فیوڈل سسٹم کی پائیدار اور بظاہر مضبوط لیکن اندر سے کھوکھلی بنیادوں پر کھڑی حویلی کا اندرون خانہ ہے جہاں حویلی کی ریت رواجوں کے تین پاسبان بھابھا سا، ان کی بہو کنور رانی اور بائی پاری سمیت مہریوں اور بائیوں کا ہجوم ہے۔ نسلوں کے فرق اور وقت کی سنگین حقیقت کے ہاتھوں یہ پاسبان غیر محسوس طریقے سے جدید طور طریقوں اور نئی نسلوں کے لئے جگہ چھوڑتے جاتے ہیں۔اسی بناء پر جہاں ایک طرف فتح و کامرانی نظر آتی ہے تو دوسری طرف شکست اور زوال کے نوحے بھی فضا میں گونجتے سنائی دیتے ہیں۔ جدت اور قدامت کے جس خوبصورت امتزاج کو آگہی اور سماجی شعور سمیت رما مہتہ نے اپنے ناول میں برتا اسی اساس کو الطاف فاطمہ نے اپنے ترجمہ شدہ ناول میں ڈھالا ہے اس ترجمے کے حوالے سے الطاف فاطمہ لکھتی ہیں:

> ”رما مہتہ کے ناول Inside the Haveli کا ترجمہ کرتے وقت میں ایک عجیب احساس سے دوچار تھی کہ ناول نگاری کے فن کے بارے میں آج تک جو نظریات اور کلئے پڑھ اور سن رکھے تھے، وہ باطل محسوس ہونے لگتے۔ خصوصاً یہ تصور کہ یہ کام تو بہت مشکل ہے اور ناول لکھنا ہنسی کھیل نہیں یا یہ خیال کہ ناول نگاری تو ایک ایسا فن ہے جس کے لکھنے والے کو بڑی سہولتیں میسر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ان سہولتوں سے فائدہ اٹھانے اور کام نکالنے کے لئے بڑے سلیقے سے زندگی سے حقیقی اور

سچی قربتوں اور آگہی کے ساتھ ساتھ قصے یا ناول کے کینوس میں جدید اور قدیم کے درمیان موجود فاصلوں کو عبور کرنے کے لئے ایک پائیدار انڈر پاس تعمیر کرنے کی مہارت کی ضرورت ہے۔ جس پر رفتہ اور حاضر بڑے سبک انداز میں نظر آئیں۔"(1)

ناول کی کہانی اودے پور کی اس قدیم اور شاندار حویلی کے ریت، رواج اور ان کے درمیان نئی آنے والی گیتا کی زندگی کے گرد گھومتی ہے۔ گیتا انیسویں سال میں اجے سنگھ سے بیاہ کر جیون نواس آئی تھی جو اودے پور کی بڑی، شاندار اور قدیم حویلی ہے۔ اجے سائنس کا پروفیسر، پڑھا لکھا اور جدید خیالات کا لڑکا ہے لیکن اس کی جڑیں بھی اس حویلی کے تہذیبی اصولوں اور رواجوں میں پکی ہیں۔ قدم قدم پر گیتا کی حویلی میں نئے چلن ریتوں اور نئے جیون کی امنگیں جھاگ کی طرح بیٹھ جاتی ہیں۔ اگرچہ اجے گیتا کی سوچ جذبات واحساسات اور طور طریقوں سے بخوبی واقف ہے ہر طرح اس کا ساتھ بھی دیتا ہے لیکن وہ ریت رواجوں اور حویلی کے کٹر اصولوں میں جکڑا ہوا ہے جن سے رہائی یا بغاوت کسی صورت اس کے لئے ممکن نہیں۔ اس حویلی کے رکھ رکھاو؟ اور آدرشوں کا اکیلا وارث ہے۔ اس راجپوتی آن بان، جاگیر داری اور یہاں کے اصولوں اور رواجوں میں ایک پراسرار عنصر موجود ہے جس کے باعث یہ سب کچھ گیتا کی جڑوں میں بھی نامعلوم طور پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی ناپسندیدگی اور اکتاہٹ کے باوجود کہ وہ کئی سال اس حویلی کی بندشوں، رواجوں اور پراسرار قوتوں سے الگ ہو جانے کے خواب دیکھتی ہے جو کبھی تعبیر نہیں پاتے۔ اگرچہ گیتا کے ہر قدم اور عمل پر حویلی کے افراد خاموش اور مضبوط رویہ رکھتے ہیں اس سے محبت سے نباہ کرتے ہیں مگر ہر قدم اس کی انا ایک نئی چوٹ سے ہمکنار ہوتی ہے۔ گیتا بظاہر ہر حکم کو مان لینے کے باوجود بغاوت اور مفاہمت کی ٹھانے رکھتی ہے۔ مگر اس حقیقت سے ناآشنا ہوتی ہے کہ اس کے اپنے پیروں میں اُن تہذیبی اصولوں کی بیڑیاں پڑ چکی ہیں ہر قدم اس کے خواب ایک نئی موت مرتے ہیں اور آخر کار اس حویلی کے رکھ رکھاؤ اور وقار کی ذمہ داری بھی مالکن کے روپ میں گیتا ہی کے سر آجاتی ہے۔

الطاف فاطمہ کو تصویر کشی اور منظر نگاری میں ایک خاص اور اچھوتا ملکہ حاصل ہے۔ اس ناول کا آغاز اودے پور میواڑ کی عظمت و جلال کے نقشے اور اس شہر کی مکمل تصویر کشی سے کیا گیا ہے:

"کسی زمانے میں اودے پور میواڑ کی راجدھانی ہوا کرتی تھی۔ اگرچہ اب اس کی وہ حیثیت باقی نہیں رہ گئی ہے اور اب اودے پور بھی میواڑ کے دوسرے شہروں جیسا ایک شہر ہی ہے۔ تاہم اس کی عظمت و جلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اتنا وقت گزر جانے اور زمانے کے الٹ پھیر کے باوجود اس کی پراسراریت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ جیسے اس شہر کی فضا اور ماحول پر کوئی بھید بھری گھمبیرتا چھائی رہتی ہو۔"(2)

جب کہ دوسری طرف اس کا اختتام المناک اور حیرت زدہ کر دینے والا ہے جو اپنے اثر میں قاری کو دیر تک مبتلا کئے رکھتا ہے:

"بنی جی روؤ نہیں خود کو سنبھالو"۔ مان جی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر کہا۔ "دیکھو اب تم اس حویلی کی مالکن ہو اور تم رونے پیٹنے میں اس کے دستور اور رواجوں کو تو نہیں نظر انداز کر سکتیں۔ اس کا رکھ رکھاؤ اور مریادا تمہارے غم پر بھاری ہے۔"(3)

ناول کا پلاٹ گٹھا ہوا اور سادہ ہے۔ تمام واقعات آپس میں مربوط ہیں۔ تین حصوں اور مختلف ابواب میں تقسیم ہونے کے باوجود کہانی کا تسلسل اور ربط قائم رہتا ہے۔ ناول کی ابواب بندی مہارت سے کی گئی ہے۔ کہانی رواں ہے۔ الطاف فاطمہ نے ہر بات میں اصل تحریر کی خصوصیات کو برقرار رکھا ہے۔ اور یہ پہلو ابواب بندی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ حویلی کے ماحول اور رہن سہن کا نقشہ چند سطور کو پڑھ کر ہی قاری پر منکشف ہو جاتا ہے۔

"گھر کے سارے مرد اس کے پتی سمیت صبح سویرے، تڑکے تڑکے ہی باہر نکل جایا کرتے تھے، ایک بات یہ بھی تھی ان کی صورتیں تو نظر نہ آتی تھیں، بس نام ہی سننے میں آتے تھے۔ لیکن حویلی کے پورے نظام پر وہی چھائے ہوئے معلوم دیتے تھے اور ان کا سکہ چلتا تھا۔ پوری حویلی کی گاڑی کا پہیہ ان ہی کی مرضی اور خواہشات کے گرد گھومتا تھا۔"(4)

اس ناول میں راجستھانی طرزِ معاشرت اور تہذیب کا مکمل نقشہ اس حویلی کے توسط سے موجود ہے۔ ریت رواج اور اصولوں کے بیان میں جس فن کاری کا مظاہرہ ہے وہ ترجمہ ہونے کے بعد بھی تہذیب و معاشرت کا مکمل

رنگ دکھاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ناول اُردو زبان میں ہی تخلیق ہوا ہے۔ ناول میں منظر نگاری کے خوبصورت نمونے نظر آتے ہیں۔ کہیں موسم کے ذکر پر گھر کر گھٹاؤں کے چھا جانے کا منظر نظر آتا ہے تو کہیں بدلیوں کے چھٹ جانے کا کہیں بھابھا سا اور بھگوت سنگھ کی موت پر غم زدہ اور سوگوار حویلی کا منظر ہے تو کہیں شادی بیاہ اور پیدائش کی تقریبات کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ ایک جگہ تنگ گلی کا منظر اس طرح پیش کیا گیا ہے:

> ''جب اس گلی میں کوئی گاڑی آتی تو سائیکل سواروں تک کو سائیکل سے اترنا پڑتا تھا۔ پیدل چلنے والوں کو بھی ایک لائن سے چلنا پڑتا تھا۔ اس طرح کہ ان کے جسم گاڑی سے رگڑتے ہوئے گزرتے تھے۔ گلی کے دونوں طرف نالیاں پیلے پیلے رنگ کے بدبودار اور گندے پانی سے ابل رہی تھیں۔ ان نالیوں کی دوسری طرف آپس میں جڑے جڑے گھر کی حالت بھی بڑی ناگفتہ بہ تھی کہ کسی کے کواڑ ٹوٹ پھوٹ سے دوچار تھے تو کسی کی دیواروں سے پلاسٹر جھڑ رہا تھا۔۔۔''(5)

روایت اور تہذیب سے مضبوط رشتے اور ان میں اپنی پکی جڑوں کی عکاسی اجے سنگھ کی باتوں سے ہوتی ہے۔ جہاں ایک طرف ماں باپ سے بے پناہ محبت کا عنصر نظر آتا ہے تو دوسری طرف اپنی بے بسی اور گھٹن کا احساس بھی موجود ہے۔ اس ناول میں راجستھانی تہذیب و معاشرت کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ خصوصاً اس تہذیب اور رواجوں نے جس طرح حویلیوں میں بسنے والی عورتوں کی زندگی کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ گیتا کو سب سے پہلا دھچکا تو اودے پور پہنچ کر جیون نواس میں قدم رکھنے پر پردے کے حوالے سے لگتا ہے۔ جہاں پاری بڑھ کر گیتا کی ساڑھی کا پلو آگے کر کے اس کو پردہ کرواتی ہے۔ وہاں اس کا استقبال کرنے والی تمام عورتوں کا چہرہ پردے میں ہونا گیتا کے لئے حیران کن تھا۔

''حویلی کے اندر'' ایک ایسے گھٹے ہوئے ماحول کی داستان ہے جہاں من کی بات منہ پر لانے کی اجازت نہیں، جہاں کسی شخص کے جتنے بھی مضبوط ارادے ہوں وہ ٹوٹ جاتا ہے، اور ہار مان لیتا ہے۔ یہ ایسا ماحول ہے جہاں اپنے جذبات اور خواہشات کے اظہار کی ممانعت ہے اور محض بناوٹی طرزِ زندگی ہے جس میں اصول، رکھ رکھاؤ اور اندرونی کھوکھلا پن ہے۔ کوئی بے تکلفی اور خوشگوار گھریلو ماحول کا تصور یہاں موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

ہر قدم پر گیتا کے ارادوں کو شکست ہوتی ہے وہ جو تبدیلیاں حویلی میں دیکھنا چاہتی ہے سر توڑ کوشش کے باوجود ناکام رہتی ہے۔اور اس سلسلے میں پہلی کھلی بغاوت وہ سیتا کے سکول داخلے کے سلسلے میں کرتی ہے جہاں پہلی بار پاری اور گیتا کے درمیان تلخ لہجے میں گفتگو ہوتی ہے۔ یہ سنسنی خیز مقابلہ تھا اور یہ ناول کا دلچسپ ٹکڑا ہے۔ قدیم ظالمانہ رواجوں کے خلاف یہ مقابلہ جاندار مکالموں اور جزئیات کے تمام تر حسن کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ایسا ماحول جہاں خواتین تعلیم حاصل کرنے کی حق دار نہیں وہاں ایک نوکرانی کی بیٹی کو سکول میں داخل کروائے جانا اس ماحول کے اصولوں کے خلاف بات ہے گیتا کی بیٹی وجے چونکہ حویلی کی بیٹی ہے اس کا اسکول جانا اس معاشرے میں قابل اعتراض بات نہیں۔اسی کی ہم عمر سیتا نوکرانی کی بیٹی اپنے اس پیدائشی اور بنیادی حق سے محروم رہے۔ یہ اس معاشرے کے روا جوں میں شامل ہے۔

ایک طرف جہاں اس تین سو سال پرانی حویلی کی دیواروں اور جھروکوں میں شکست اور ناکامی کے آثار نظر آتے ہیں۔ وہاں ہی اس کے ریت اور رواج بھی اندر سے کھوکھلے اور زوال پذیر ہیں جس کی نمایاں مثال گیتا کے خفیہ اندرون خانہ سکول کا جڑ پکڑنا اور مضبوط ہونا ہے۔ جس میں محلے کی عورتیں اور نچلے طبقے کی خواتین کا تعلیم کے حصول کے لئے شریک ہونا ہے۔ کنور رانی ساکا سیتا کے سکول داخلے کی مخالفت اور پھر آخر کار اس کی حمایت کرنا اور گیتا کے خفیہ اندرون خانہ سکول کے سلسلے میں حویلیوں کی عورتوں کی مخالفت پر گیتا کی پشت پناہی کرنا اس تبدیلی کی طرف اشارہ ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ گیتا کی کوششوں سے آرہی تھی۔ گیتا عورتوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے جس لگن سے کوشش کر رہی تھی،اس کو تسلیم بھی کیا جاتا تھا کہ عورتوں کی زندگی میں بہتری آرہی ہے۔ لیکن ان عورتوں کی جڑیں ان کے رکھ رکھاؤ اور ریت رواج میں اس قدر گہری تھیں کہ گیتا کے تمام خواب اور خواہشات ایک ایک کر کے بکھر گئے۔ سیتا کا اسکول بھی ختم کر دیا گیا اور گیتا کا اندرون خانہ سکول بھی بند ہو گیا۔ گیتا اپنے خوابوں پر سمجھوتہ کر لینے کے بعد اپنے تینوں بچوں کی زندگی پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرنے کا جو ارادہ رکھتی تھی وہ بھی بکھر گیا۔

اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ طبقے اور پیشے کے اعتبار سے الفاظ کی ادائیگی کسی بھی کردار سے کروائی جائے اور اس سلسلے میں کردار کی تعلیمی قابلیت اور ذہنی شعور کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ مجموعی طور پر زبان سادہ سلیس اور رواں ہے۔اُردو زبان میں ترجمہ کرنے کے باوجود ہندی الفاظ کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے تاکہ اصل

تحریر کی خوبصورتی اور تہذیب و معاشرت کے اصل رنگ کو برقرار رکھا جاسکے۔ کیوں کہ راجستھانی تناظر میں پیش کی گئی ہے یہ کہانی محض اُردو زبان میں ترجمہ کی جاتی تو وہ ترجمے کی صنف سے سراسر ناانصافی ہوتی۔ ترجمہ شدہ تحریر پر اس ہندوستانی علاقے کا رنگ غالب ہے اور جگہ جگہ ہندی الفاظ کا استعمال نظر آتا ہے۔ مثلاً: سوامی، منور نجن، کارن، کا منائیں، شانت، کریا کرم، چرن چھونا، سواگت کرنا وغیرہ، پوری تحریر پر ہندی زبان کا غلبہ نظر آتا ہے۔ ہر کردار کی زبان اور لب ولہجہ اس کی قابلیت، علاقے اور اس کے مخصوص ماحول کے تناظر میں پیش کئے گئے ہیں مثلاً نوکر گنگارام کے مکالموں کی زبان اور لب ولہجہ اس طرح پیش کیا گیا ہے:

''تو تو نری گدھیا ہے لکشمی، مین تے کتنی باری بولا ہے کہ دیواروں پاکھاں کے بھی کان ہوویں، پر تو تو ایسے بابا کرن بیٹھ جائے گی، مانو حویلی کی مالکن تو ہے۔''(6)

خیالی رسوئیے (خانساماں) کے مکالموں کی زبان میں بھی ہندی زبان اور میواڑی لہجہ نمایاں ہے:

''ارے تو کاہے چنتا کرتے ہو۔ بھگوان جو بھی جی اس دھرتی پر اُتارتا ہے اس کی پال پوس کی چنتا بھی وہی کرتا ہے۔ یہ مانتا ہوں کہ بیٹی کا بوجھ بڑا گروا ہوتا ہے پر نتو ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اگر پیدا ہی ہو جائے تو اُٹھا کر نہیں پھینک سکتے۔''(7)

گیتا اور اجے جدید نسل کے نمائندہ کردار ہیں۔ یہ کردار تعلیم یافتہ اور باشعور ہیں۔ جیون نواس کے حوالے سے اس ناول میں میواڑ کی سرزمین، صبح شام، موسم کے تہوار، ریت رواج سمیت حویلی میں آنے والی خوشیاں، غم، بائیوں اور مہریوں کے پائلوں کی چھنکار، ان کی ادائیں، لہنگوں کے گھوم پھیر، گیت، بین، مزاج، چنچل طبیعتیں گویا کیا کچھ نہیں سمایا اور انہی سب کو ملا کر اس ماحول کی گھمبیرتا اور اس کی وسعتوں کو بڑھایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں رمامتہ نے جو بے مثال کردار نگاری کے نمونے پیش کئے ہیں۔ ان کی خوبصورتی کو برقرار رکھتے ہوئے انہیں الطاف فاطمہ نے اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

اس ناول میں گیتا کے مشاہدے کے ذریعے حویلی میں رہنے والی عورتوں اور شہر کی عام خواتین کا موازنہ بھی پیش کیا گیا ہے جو عام، سادہ اور آسودہ زندگی بسر کرتی ہیں۔ بازاروں میں من چاہی خریداری کرتی ہیں۔ نئے گہنوں کو لے کر ان کی آنکھوں میں خوشی ناچتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف حویلی کی عورتیں خود بازار جا کر خریداری نہیں

کرتیں۔ ہر لمحہ بناوٹی زندگی گزارتی ہیں اور حویلی کی نوکرانیاں بھی زیور اور گہنوں کے لالچ میں رہتی ہیں۔ الطاف فاطمہ نے اصل تخلیق کا رنگ قائم رکھنے کے لیے ہر چیز کو بہت تفصیل سے اسی طرح پیش بھی کیا ہے لیکن یہ تفصیلات بے جا طوالت محسوس نہیں ہوتیں بلکہ ہر چیز اپنی جگہ موزوں اور مکمل محسوس ہوتی ہے۔

ناول کی کہانی میں نچلے طبقے کے احساسات، زندگی، حویلی میں ان کا رہن سہن پیش کرنے کے علاوہ نسلوں کے درمیان فرق کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔ رمامہتہ کے ناول میں کہانی کے پس منظر میں ہندو مذہب غالب ہے اور الطاف فاطمہ کی اپنی علمی وسعت اور معلومات نے اس ترجمے میں جان ڈال دی ہے۔ انہوں نے ترجمے میں ہندوانہ تہذیب اور رسموں کو اسی کامیابی سے برتا ہے جس طرح کہ برتنے کی ضرورت تھی۔ اس ترجمہ شدہ تصنیف میں ہندو مذہب کی بھی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے:

"آنگن کے بیچوں بیچ منڈپ تلے پنڈت جی بیٹھے جاپ کر رہے تھے اور پھر جوتشیوں کی وچاری ہوئی شبھ گھڑی کی شبھ لگن کے ٹھیک ٹھیک سمے پر بھگوت سنگھ جی اپنے بیٹے کے ساتھ آنگن میں داخل ہوئے ... جیسے ہی پنڈت نے آگ پر پگھلا ہوا مکھن انڈیلنا شروع کیا، جاپ تیز تیز اور اُونچا اُونچا ہونے لگا۔ پنڈت نے بھگوت سنگھ اور ان کے بیٹے کو اپنے ساتھ ساتھ آواز ملا کر جاپ کرنے کو کہا..." (8)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ناول میں ہندی الفاظ کی بھرمار ہے اور ہندو تہذیب کی مکمل عکاسی کے لئے ہندوانہ رسموں کے ساتھ ساتھ ہندی زبان کے استعمال ہی کو اوّلیت دی گئی ہے۔ الطاف فاطمہ نے ناول میں بہت سی جگہوں پر جہاں بعض ایسے ہندی الفاظ تحریر کئے ہیں کہ ان کو محسوس ہوا کہ قاری تک اس کی ترسیل میں مشکل پیش آ سکتی ہے وہاں انہوں نے قوسین میں اس کا اُردو لفظ بھی تحریر کیا ہے۔

جیون نواس میں شادی کی خوشیاں ہوں یا غموں کے نوحے، ہر موقع اپنے مخصوص، رنگ، وضع داری اور آن بان میں آتا اور پھر گزر جاتا ہے۔ یوں تو پورا ناول ایک مکمل اکائی ہے لیکن اس کا پہلا اور آخری باب اور آخری باب کی اختتامی سطریں حاصلِ کلام ہیں۔ گیتا کی کہانی اور جیون نواس کی دُنیا کو بیان کرنے کے ذریعے دراصل فیوڈل سسٹم کی بظاہر مضبوط مگر اصل میں کھوکھلی اور زوال پذیر بنیادوں کو پیش کیا گیا ہے جس پر جیون نواس کی تین سو سال پرانی،

حویلی اور اس کا نظام قائم ہے۔ جن کے بسنے والوں کی جڑیں ان ظالمانہ رواجوں اوزوال پذیر رسموں میں اس قدر گہری ہیں کہ وہ خود اس سے آزادی کے متلاشی ہوتے ہوئے بھی خود کو ان ریت رواجوں سے آزاد اس لئے نہیں کر سکتے کیوں کہ ان کی بنیادوں میں نامعلوم طور پر یہ نظام اس طرح شامل کر دیا گیا ہے کہ زندگی میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ناممکن ہے۔

اس ترجمے کے ذریعے راجستھان کی تہذیب و معاشرت سے اہم واقفیت حاصل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ جس خوبصورتی اور مہارت سے رمامہتہ نے اس ناول کو تحریر کیا۔ اسی خوبصورتی اور مہارت کو الطاف فاطمہ نے بروئے کار لاتے ہوئے اس ناول کی اُردو زبان میں از سر نو تخلیق کی ہے۔ اس میں ایسی خوبصورت سطریں موجود ہیں جو ترجمہ محسوس ہی نہیں ہوتیں یہ الطاف فاطمہ کے فن کی بڑی خوبی ہے کہ ان کی ترجمہ شدہ تصنیف میں اصل کا تمام تر اثر موجود ہے۔ بلاشبہ یہ ناول الطاف فاطمہ کے تراجم کا شاہکار ہے۔ انہوں نے جس فن پارے میں دلچسپی محسوس کی اس کا ترجمہ کیا۔ ان کی کاوشوں کے نتیجے میں اُردو ادب میں بہترین تراجم کا اضافہ ہوا ہے۔ ان کی بدولت ہم دُنیا کے چند اہم اور مشہور فن پاروں سے واقف ہوئے ہیں۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان کے تراجم کو پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ قارئین ان کے تراجم سے بخوبی واقف نہیں ہو سکے لیکن ان تراجم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ترفنی معیارات پر پورا اُترتے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ رماہتہ، حویلی کے اندر، (لاہور: مکتبہ جدید پریس، 1999ء)، مترجم: الطاف فاطمہ، ص3
2۔ ایضاً، ص7
3۔ ایضاً، ص18
4۔ ایضاً، ص32
5۔ ایضاً، ص148
6۔ ایضاً، ص23
7۔ ایضاً، ص14۔15
8۔ ایضاً، ص55